جمہوریت اور اسلام کا نظامِ سیاست۔ ایک تقابلی مطالعہ

تحریر: ڈاکٹر حافظ محمود اختر، ادارہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی لاہور۔

افکار و نظریات کی کشمکش انسانی زندگی کی تاریخ کا ایک اہم اور بنیادی حصہ ہے۔ مختلف حالات و مسائل کی مناسبت سے افکار جنم لیتے ہیں اور اگر یہ افکار اپنے زمانے اور علاقے کے مسائل کا ساتھ دے سکیں تو وہ افکار و نظریات موجود رہتے ہیں ورنہ مٹ جاتے ہیں اور وہی نظریہ قائم رہتا ہے جو اپنے عہد کی مناسبت سے موزوں، قابل عمل اور مفید ہوتا ہے۔ ہیگل نے بھی اس بات کا تذکرہ کیا ہے کہ افکار و نظریات کی کشمکش ہمیشہ جاری رہتی ہے اور مفید نظریہ باقی رہ جاتا ہے۔ باقی نظریات مٹ جاتے ہیں۔

یہ سب باتیں ان افکار و نظریات کے بارے میں درست تسلیم کی جاتی ہیں جو انسانوں کے بنائے ہوئے ہوتے ہیں۔ اسلامی افکار و نظریات ابدی و آفاقی اور مستقل اقدار پر مبنی ہوتے ہیں۔ ان کی بنیاد وحی پر ہوتی ہے اور یہ بات ایک مسلمہ حقیقت کی حیثیت رکھتی ہے کہ وحی کے ذریعے حاصل ہونے والی بات حتمی اور ناقابل تغیر ہوتی ہے۔ وحی کے ذریعے حاصل ہونے والے علم کو جہاں حتمی اور حرف آخر تسلیم کیا جاتا ہے وہاں عقل سے حاصل ہونے والے افکار و نظریات کے غیر حتمی ہونے کا اقرار مشرق و مغرب کے لوگ کرتے ہیں۔

افکار کی کشمکش کے دور میں اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ اہل اسلام بھی اپنا نظریہ عصری، فکری رجحانات و مسائل کے تناظر میں پیش کریں۔ یہ بات مسلمانوں کا دینی فریضہ بھی ہے اور وقت کی اہم ضرورت بھی کہ اس وقت جب انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین نے انسانوں کی زندگیوں کو اجیرن بنا ڈالا ہے اور کہیں انسانوں کے ہاتھوں انسانوں کا معاشی استحصال ہو رہا ہے تو کہیں انسان کے ہاتھوں انسانوں کے حقوق غصب کئے جا رہے ہیں۔ اس وقت انسان پر اللہ کی حکومت کا نظریہ پیش کریں۔

لیکن مقام افسوس ہے کہ مسلمان اپنا تصور حیات دوسروں کے سامنے پیش کرنے کی بجائے دوسروں کے نظریات کو سینے سے لگائے بیٹھے ہیں۔ اس سے بڑی ستم ظریفی یہ ہے کہ وہ اچھائیاں جو زیادہ نکھرے ہوئے انداز سے ان کے اپنے دین میں موجود ہیں ان کی طرف

توجہ نہیں دیتے۔ لیکن دوسروں کے پراز معائب نظاموں کو اپنائے ہوئے ہیں ۔ آئندہ سطور میں ہم اس بات کا جائزہ پیش کریں گے کہ مسلمان جمہوریت کو اپنا نجات دہندہ سمجھتے ہیں اور اس کے معائب کی پرواہ کیے بغیر اس غیر اسلامی نظریے کی حمایت میں کمر بستہ ہیں۔حالانکہ اسلام کا سیاسی نظام ان تمام معائب سے مبرا ہے جن معائب کا ذکر خود جمہوریت کے خالقوں نے کیا ہے حقائق و دلائل کی بنیاد پر یہ دعوی کیا جاسکتا ہے کہ اسلام کا شورائی نظام، مغربی جمہوریت سے کہیں اعلی وارفع نظام ہے۔ ہمیں غیروں کی مدح سرائی کی بجائے اپنے نظام کی مدح سرائی بھی کرنی چاہیے اور اسی کے نفاذ کیلئے ہمارے صلاحیتیں صرف ہونی چاہیں۔

سید القوم خادمھم: آج ہم جمہوریت کے جن ظاہری اوصاف کی وجہ سے اسے نجات دہندہ سمجھ رہے ہیں ان میں سے ایک پہلو یہ ہے کہ اس میں سربراہ مملکت یا سربراہ حکومت عوام کا خادم ہوتا ہے وہ عوام کی خدمت کے بل بوتے پر منتخب ہوتا ہے اور اسی میں اس کے اقتدار کا راز مضمر ہوتا ہے لیکن ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ اسلامی تعلیمات جب عہد نبوی اور عہد خلافت راشدہ میں عملی صورت میں سامنے آئیں تو خدمت عوام کی ایسا منظر دکھائی دیا جس کی نظیر تاریخ انسانی میں دکھائی نہیں دیتی۔

قرآن مجید میں اقتدار اور حکومت کو امانت قرار دیا گیا ہے(۱)احادیث نبویہ میں بھی اسے امانت قرار دیتے ہوئے اس کی ادائیگی کے طریقے اور صورتیں بیان کی گئی ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

من ولی من امر المسلمین شیئا فولی رجلا وھو یجد من ھوا صلح للمسلمین منہ فقد خان اللہ ورسولہ(۲)

کسی کو اگر مسلمانوں کا امیر بنایا گیا اور اس نے کسی کو کسی منصب پر فائز کردیا درانحالیکہ اس منصب کیلئے اس سے بہتر شخص مسلمانوں کیلئے موجود تھا تو اس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ خیانت کا ارتکاب کیا۔

ایک اور موقعہ پر آپ ﷺ نے فرمایا:

یا اباذرؓ انک ضعیف وانھا امانۃ وانھا یوم القیامۃ خزی وندامۃ الامن اخذ بحقھا وادی الذی علیہ فیھا (۳)

اے ابوذر! امارت وحکومت ایک امانت ہے اور قیامت کے دن یہ حسرت اور ندامت (کا باعث) ہوگی۔ سوائے اس شخص کے جس نے اسے حق کے ساتھ قبول کیا اور اس کے تمام حقوق ادا کرتا رہا۔

حضرت عمرؓ کا ایک قول بھی اس سلسلے میں منقول ہے فرماتے ہیں:

من ولی من امرالمسلمین شیئاً فولی رجلا لمودة او قرابة بینهمافقد خان الله ورسوله (۴)

جو شخص مسلمانوں کا امیر بنایا گیا اور اس نے کسی مودت وقرابت کی وجہ سے کسی کو کسی عہدے پر متعین کردیا تو اس نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت کی۔

امام ابن تیمیہؒ نے ان احادیث و آثار کی روشنی میں کہا ہے:

وقد دلت سنة رسول اللهﷺصلی اللهعلیه وسلم علی ان الولایة امانة یجب اداؤهافی مواضعها (۵)

رسول اللہ ﷺ کی سنت اس پر دلالت کرتی ہے کہ ولایت وحکومت ، اللہ تعالی کی جانب سے امانت ہے۔ جس کا ادا کرنا اس کے اصل مقام پر واجب ہے۔

امام ابن تیمیہؒ نے اس سلسلے میں اپنی کتاب میں "الولایات" کے عنوان سے باب قائم کر کے اس کی وضاحت کی ہے کہ عوام کی خدمت امیر مملکت کا دینی اور قانونی فریضہ ہے اور امانت کا حق اسی صورت میں ادا ہوگا کہ وہ خود اور اس کے افسران عوام کی خدمت کو اپنا دینی اور آئینی فریضہ سمجھیں (۶)

حضرت شاہ ولی اللہؒ بھی لکھتے ہیں کہ امارت وحکومت کسی کی ذاتی صوابدید کا معاملہ نہیں ہے بلکہ یہ اللہ اور بندوں کی ایک امانت ہے جو امیر مملکت کے پاس ہوتی ہے اور اس امانت کا حق اسی صورت میں ادا ہوگا کہ اللہ کا حکم نافذ کرے اور عوام کی خدمت کو اپنا شعار بنائے اور امیر مملکت اللہ تعالیٰ کے سامنے بھی اس امانت کی ادائیگی کے بارے میں جوابدہ اور عوام بھی اس کا مواخذہ کرتے ہیں۔ اس کے اقتدار کے جاری رہنے کا دارومدار اسی پر ہے کہ وہ امانت کا حق ادا کرتا ہے کہ نہیں (۷)

حضرت علیؓ کا ایک قول بھی اس سلسلے میں منقول ہے کہ حکمران کی ذمہ داری ہے کہ وہ حق امانت ادا کرے اور اگر وہ یہ حق ادا کرتا ہے تو عوام پر بھی اس کی اطاعت لازم ہوجاتی ہے (۸)

گویا عوام کی خدمت کو اس طرح مذہبی ذمہ داری قرار دینا صرف دین اسلام میں ہی دیکھی جاسکتی ہے۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اللہ کے احکام وہی شخص نافذ کرسکتا ہے جو نہ دوسروں کی نقالی کرے نہ مداھنت سے کام لے نہ ہوا و ہوس کے پیچھے چلے۔ اللہ کے احکام وہی نافذ کرے گا جس کے ڈول میں کبھی پانی کی کمی واقع نہ ہو اور حق کے معاملے میں کسی سے نرمی نہ برتے (۹)

ڈول میں سے پانی کی کمی واقع ہوجانے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں بہت زیادہ فیاضی اور وسیع القلبی ہو۔ اس کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ جس کی قوت کار کبھی مضمحل نہ ہو وہ عوام کی خدمت کے جذبے سے ہمہ وقت سرشار اور خدمت میں ہر وقت تیار ہو۔ اسلامی مملکت کا سربراہ عوام سے برتر کوئی ہستی نہیں بلکہ وہ عوام کی خدمت کے جذبے سے سرشار ہو کر حکومت کرتا ہے۔ اس کی عملی تصویر عہد نبوی ﷺ اور عہد خلافت راشدہ میں دکھائی دیتی ہے۔ حضرت عمرؓ راتوں کو گشت کرتے اور عوام کے مسائل معلوم کیا کرتے تھے۔ اس طرز عمل نے انہیں عوام کی نظروں میں محبوب بنا دیا۔ لوگ خلیفہ کو محروموں اور کمزوروں کا مددگار سمجھتے۔ لوگ اپنے آپ کو خلیفہ سے اور خلیفہ اپنے آپ کو لوگوں سے الگ تصور نہیں کرتا تھا۔ ایسا نظام حکومت بڑا مضبوط و مستحکم ہوتا ہے اور جدید اصطلاح میں بات کی جائے تو جمہوریت کی جڑیں اس سے مضبوط ہوتی ہیں۔ حضرت عمرؓ نے اپنے افسران کو خصوصی ہدایات دے رکھی تھیں کہ وہ لوگوں کے کاموں میں تاخیر سے کام نہ لیں ورنہ عوام حکومت سے مایوس ہوجاتے ہیں۔ ان کے دلوں میں حکومت خلاف نفرت پیدا ہونے لگتی ہے۔ تاخیری حربوں سے سے عوام کے مسائل حل نہیں ہوتے اور عوام کے ذہنوں میں پیدا ہونے والی مایوسی، سیاسی انارکی، بے چینی اور بالاخر انقلابات کی شکل میں رنگ دکھاتی ہے (۱۰)

حضرت عمرؓ کا وہ خط جو انہوں نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو لکھا، عوامی خدمت کے حوالے سے سنہری حروف میں لکھے جانے کے قابل ہے آپؓ نے لکھا ہے:

"کام میں زور، قوت اور روانی پیدا کرنے کیلئے یہی طریقہ ہے کہ آج کا کام کل پر نہ ڈالا جائے۔ اگر ایسا کیا گیا تو تمہارے سامنے کاموں کا ڈھیر لگتا چلا جائے گا۔ اور تمہیں کچھ سمجھ نہ

آئے گی کہ کس کام کو پہلے کیاجائے اور کسے بعد میں۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ تم اپنے کام بگاڑ لوگے"(۱۱)

اور دیکھو! جب حکمران عوام کے کاموں میں توجہ نہ دیں تو لوگوں کے دلوں میں حکمرانوں کے خلاف ایک کد اور نفرت پیدا ہوجاتی ہے اور آپس میں دلوں میں کینہ پیدا ہوجاتا ہے۔(۱۲) عموماً دیکھا گیا ہے کہ حکومت اپنے اقتدار کے نشے میں مست ہو کر لوگوں کی خدمت سے آنکھیں بند کر لیتی ہے یا پھر سیاسی مصلحتیں اور گروہی مفادات آڑے آتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا جو شخص کسی درجہ میں مسلمانوں کے اجتماعی معاملات کا ذمہ دار بنایا گیا تو اسے اللہ کی راہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے ڈرنا نہیں چاہیے(۱۳)

اگر امام وقت اپنی تمام صلاحیتیں عوام کی خدمت میں صرف کرتا ہے تو وہ اس امانت سے بھی عہدہ برا ہوجائے گا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی اجر پائے گا۔ایسے حاکم کے بارے میں امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

فاذا اجتهد الراعی فی اصلاح دینهم ودنیاهم بحسب الامکان کان من افضل اهل زمانه وکان افضل المجاهدین فی سبیل الله(۱۴)

اگر راعی (حاکم) نے لوگوں کے دینی و دنیاوی معاملات کی اصلاح میں حتی الامکان جدوجہد کر لی تو وہ اپنے زمانے کے بہترین لوگوں میں سے ہوگیا اور وہ مجاہدین فی سبیل اللہ میں بھی برتر شمار ہوگا۔

حضرت معقل بن یسارؓ سے روایت ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

مامن امیریلی امرالمسلمین ثم لایجهد لهم وینصح الالم یدخل معهم الجنة(۱۵)

ترجمہ: کوئی امیر ایسا نہیں جسے اللہ نے رعیت پر نگہبان مقرر کیا ہو پھر وہ خیر خواہی کے ساتھ ان کی نگہبانی نہ کرے۔ ایسا شخص ان کے ساتھ جنت میں داخل نہ ہوسکے گا۔

حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

امام عادل وہ شخص ہے جو لوگوں کے گلے شکوے کی آوازوں کو جو اللہ تعالیٰ تک پہنچائی جاتی ہیں انکے مسائل حل کر کے انہیں خاموش کر دیتا ہے اور ظالم حکمران کی پہچان یہ

ہے کہ اس کے خلاف اللہ تعالیٰ کے سامنے بہت سے شکوے شکایتیں کی جاتی ہیں(۱۶)
حضرت عمرؓ کے بارے میں ایک قول منقول ہے کہ:

لو هلک حمل من ولد الضان ضیاعابشاطئی الفرات خشیت ان یسالنی الله(۱۷)

دریائے فرات کے کنارے اگر بکری کا ایک بچہ بھی بھوکا مرجائے تو مجھے ڈر لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے اس بارے میں مواخذہ کرے گا۔

امام ابویوسفؒ نے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ ایک رات آپ بہت روئے۔اس کی وجہ پوچھی گئی تو فرمایا مجھے زمین میں پھیلے ہوئے غریب الوطن ،خستہ حال بھکاری، محتاج، غرباء، مجبور ومظلوم قیدی اور دوسرے لوگ یاد آئے۔مجھے خیال ہوا کہ ان کے بارے میں مجھ سے سوال کیا جانا ہے اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ان کے بارے میں میرے خلاف مقدمہ لڑیں گے۔ میں ڈرا کہ اللہ کے سامنے میرا کوئی عذر نہیں چل سکے گا۔ میں حضور اکرم ﷺ کو کس دلیل سے کس طرح قائل کر پاؤں گا۔اس پر میری جان لرز اٹھی(۱۸)

ایک دفعہ شام کے سفر کے دوران حضرت امیر معاویہؓ سے حضرت عمرؓ کا آمنا سامنا ہوگیا۔ حضرت امیر معاویہؓ ایک جلوس کی شکل میں تھے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا۔ یہ لشکر آپ کا ہے؟ فرمایا ہاں! آپؓ نے پوچھا آپ کا حال یہ ہے کہ آپ ہر وقت گھر میں گھسے رہتے ہیں۔ اہل حاجت آپ کی ڈیوڑھی میں کھڑے رہتے ہیں۔ حضرت امیر معاویہؓ نے اس اعتراض کے حوالے سے خلیفہ کو مطمئن کیا تب آگے چل سکے(۱۹)

امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ راعی کا رعایا کے ساتھ تعلق بڑا ہمدردانہ ہونا چاہیے اور حکمران خدمت کیلئے ہر وقت تیار رہے اس سلسلے میں انہوں نے ایک حدیث مبارکہ کا حوالہ دیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: جو لوگ اپنی حاجات مجھ تک پہنچانے کی طاقت نہیں رکھتے ان کی ضروریات وحاجات میرے سامنے پیش کیا کرو۔ جو شخص حقداروں کی ضروریات حکام تک پہنچاتا ہے اللہ تعالیٰ اسے پل صراط سے استقامت سے گزار دیں گے(۲۰)

عوام کی ضروریات پوری کرنا: اسلام کے سیاسی نظام کا امتیاز ہے کہ یہاں خلیفہ خود

بھی عوام کی ضروریات اور ان کے مسائل سے آگاہ رہنے کی ذاتی کوشش کرتا ہے۔ خلیفہ

راتوں کو گشت کیا کرتے تھے تاکہ لوگوں کے مسائل سے آگاہ ہو سکیں۔ گشت کے دوران پتہ چلا کہ ایک عورت کے پاس کھانے کو کچھ نہیں اور اس کے بچے بھوک سے رو رہے ہیں۔
حضرت عمرؓ خود گئے اور آٹے کی بوری اپنی کمر پر لاد کر لائے (۲۱) گشت کے دوران ہی پتہ چلا کہ ایک خیمے میں ایک عورت دردِ زہ میں مبتلا ہے اور اس کی خبر گیری کرنے والی کوئی عورت موجود نہیں۔ خلیفہ خود گئے اور اپنی زوجہ محترمہ کو ساتھ لے کر آئے۔ انہوں نے اس عورت کی خدمت کی (۲۲) فتح مصر کے بعد آپؓ نے فرمایا:

اگر میں زندہ رہا تو انشاء اللہ پوری مملکت کا دورہ کروں گا۔ مجھے معلوم ہے کہ لوگوں کی بعض ضروریات بالا بالا ہی قطع کر دی جاتی ہیں۔ نہ عمال میرے سامنے پیش کرتے ہیں نہ حاجت مند مجھ تک پہنچ پاتے ہیں۔ چنانچہ میں شام جاؤں گا اور پھر وہاں دو ماہ ٹھہروں گا۔ پھر جزیرے جاؤں گا۔ وہاں دو ماہ ٹھہروں گا۔ پھر مصر جاؤں گا وہاں بھی دو ماہ قیام کروں گا۔ اسطرح آپ نے بحرین، کوفہ اور بصرہ کا بھی دورہ کرنے اور وہاں قیام کرنے کا ارادہ فرمایا پھر فرمایا:
بخدا میرا یہ دوراہ بہت مفید ہو گا (۲۳)

آپؓ مختلف علاقوں کا دورہ فرماتے تو راستہ میں ٹھہر کر عوام کے حالات معلوم کرتے۔ ایک سفر کے دوران آپ نے ایک بڑھیا سے پوچھا کہ عمر کا حال معلوم ہے؟ اس نے بتایا کہ شام سے روانہ ہو چکا ہے۔ مجھے تو اس سے ایک حبہ بھی نہیں ملا۔ آپؓ نے پوچھا کہ اتنے دور کے حالات وہ کس طرح معلوم کر سکتا ہے۔ بڑھیا کہنے لگی اگر حال معلوم نہیں تو پھر خلافت کیوں کرتا ہے؟ (۲۴)

حضرت عمرؓ باہر سے آنے والے ایک قافلے کی خبر گیری کیلئے تشریف لے گئے۔ ایک عورت کا بچہ رو رہا تھا۔ آپؓ نے اس کے رونے کی وجہ پوچھی تو اس نے بتایا کہ عمرؓ نے حکم نافذ کر رکھا ہے کہ جب تک بچہ دودھ نہ چھوڑے، اس کا وظیفہ مقرر نہ کیا جائے۔ میں اس کا دودھ چھڑا رہی ہوں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا

بؤسا لعمر! کم قتل من اولاد المسلمین (۲۵)

افسوس ہے عمرؓ پر! نہ جانے کتنے مسلمان بچوں کا خون اس کی گردن پر ہے۔

اس کے بعد حکم جاری فرمادیا کہ:

لا تعجلوصبیانکم عن الفطام فانا نفرض لکل مولود فی الاسلام وکتب بذلک الی الافاق(۲۶)

اپنے بچوں کا دودھ چھڑانے میں جلدی نہ کرو۔ ہم ہر پیدا ہونے والے مسلمان بچے کا وظیفہ مقرر کردیں گے۔ پھر یہ حکم نامہ تمام صوبوں کو لکھ دیا گیا۔

حضرت عمرؓ نے اپنے دروازے پر کوئی دربان نہیں رکھا اور ہر نماز کے بعد مسجد میں لوگوں کے مسائل سننے کیلئے بیٹھتے۔اگر کوئی نہ آتا تو تھوڑی دیر بیٹھ کر تشریف لے جاتے۔(۲۷)

اسی طرح کے احکام انہوں نے اپنے گورنروں کو بھی دے رکھے تھے کہ وہ اپنے گھروں میں دربان مقرر نہ کریں کہ سائلوں کو ان تک پہنچنے میں کسی طرح کی دقت ہو۔ آپ کو اس طرح کی شکایتیں موصول ہوئی تو آپؓ نے اس کے خلاف شدید رد عمل کا اظہار کیا(۲۸)

ان تفصیلات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اسلامی جمہوریت میں خلیفہ کس طرح عوام کے مسائل سے آگاہ رہتا ہے اور ان مسائل کے حل کے حوالے سے وہ کس قدر حساسیت کا اظہار کرتا ہے۔

عوام کے ساتھ شفقت اور نرمی: اسلام کے سیاسی نظام کا ایک امتیازی پہلو یہ ہے کہ یہاں خلیفہ اور دیگر عمال پر لازم کیا گیا ہے کہ وہ عوام سے شفقت اور نرمی کا سلوک کریں۔ خود حضور اکرم ﷺ کے بارے میں قرآن مجید میں فرمایا گیا:

فبما رحمة من الله لنت لهم ولوكنت فظا غليظ القلب لانفضوا من حولك فاعف عنهم واستغفرلهم وشاورهم فی الامر(۲۹)

اے محمد ﷺ اللہ کی مہربانی سے آپ کی افتاد مزاج ان لوگوں کیلئے نرم واقع ہوئی ہے اور آپ اگر بدخو اور سخت دل ہوتے تو یہ آپ کے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

للهم من ولی من امر امتی شیئاً فاشقق علیهم فشق علیه ومن ولی من امر امتی شیئاً فرفق بهم فارفق به(۳۰)

اے اللہ جسے میری امت کے کسی معاملہ میں ذمہ دار بنایا گیا اور اس نے لوگوں کے ساتھ سختی

کا مظاہرہ کیا تو تو بھی اس کے ساتھ سختی ہی کر اور جسے کسی معاملہ میں امیر بنایا گیا اور اس نے ان کے ساتھ مہربانی کا برتاؤ کیا تو تو بھی اس کے ساتھ شفقت فرما۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ کو گورنر بنا کر بھیجا گیا تو حضور اکرم ﷺ نے ہدایت فرمائی:

یسرا ولا تعسرا وبشرا ولاتنفرا وتطاوعاولاتختلفاً(۳۱)

نرمی کا برتاؤ کرنا سختی نہ کرنا۔ خوشخبری دینا اور منافرت نہ پھیلانا۔ متحد و متفق رکھنا اور اختلاف نہ کرنا۔

ایک اور موقعہ پر آپ ﷺ نے فرمایا:

انما بعثتم میسرین ولم تبعثوا معسرین(۳۲)

یعنی تم نرمی کرنے کیلئے بھیجے گئے ہو سخت گیری کیلئے نہیں مبعوث کئے گئے۔

امام ابن تیمیہ طبیب کی مثال دیتے ہیں کہ وہ اگر مریض کی بھلائی کیلئے کوئی کڑوی دوا دے تو وہ ساتھ ایسی خوش ذائقہ چیز بھی دیتا ہے تاکہ وہ گلے سے اتر جائے۔ آپ فرماتے ہیں کہ حکمران کو وقتاً فوقتاً گرم و نرم پالیسی کی ضرورت ہوگی اگر وہ نرمی اور مرغوب انداز اپنائے گا تو لوگوں کیلئے حق بات کو قبول کرنا آسان ہوجائے گا۔ اس مقصد کے تحت کی گئی نرمی عبادت ہے۔

حضرت عمرؓ کا قول ہے:

اے انسانوں کی نگرانی کرنےوالے لوگو! آگاہ رہو کہ امام کی بردباری اور نرم روی سے زیادہ نہ کوئی بردباری اللہ تعالی کو پسند ہے اور نہ کوئی نرم روی عزیز ہےاور نہ اس سے بڑھ کر کوئی چیز ہمہ گیر نفع کی حامل ہے۔ اور امام کی تندمزاجی اور بے تدبیری سے زیادہ نہ تو اللہ کو کوئی تندمزاجی اور بے تدبیری ناپسند ہے۔ اور نہ اس سے بڑھ کر کوئی چیز ہمہ گیر نقصان کی حامل ہے(۳۴)

حضرت عمرؓ کے بارے میں منقول ہے:

انه كان لا يرضى من عماله الشدة فى استيفاء الحقوق والتزيد على ما امر الله ان يؤخذ الناس به بل كان يوصيهم بالرفق والا ناة والعدل وعدم الايغال فى العقوبة(۳۵)

کتاب الاموال میں حضرت سلمان کا ایک قول منقول ہے:

خلیفہ برحق وہ ہے جو کتاب اللہ کے مطابق فیصلے کرے۔ رعایا کے ساتھ شفقت کرے جس طرح کہ وہ اپنے گھر والوں سے شفقت سے پیش آتا ہے(۳۶)

امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ صاحب حکومت کو شیریں کلامی اور خوش گفتاری اختیار کرنی چاہیے۔ لوگ ان کے سامنے درخواستیں پیش کریں تو ان درخواستوں کو قبول کریں ورنہ نرمی سے پیش آئیں۔ اس سلسلے میں وہ قرآنی آیات کا حوالہ دیتے ہیں۔ انہوں نے مندرجہ ذیل آیات کے حوالے دیئے ہیں۔

(۱۱:۱۰-۱۱) (۷:۱۹۹) (۳:۱۳۳-۱۳۴)

اور (۴۱:۳۴-۳۶ (۴۲:۴۶)

امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ حکمران کو عوم کے ساتھ تحکمانہ لہجہ اختیار نہیں کرنا چاہیے ایسا انداز گفتگو اپنائیں جس سے ان کا دل خوش ہو جائے۔ اسے امام صاحب کامل درجے کی سیاست قرار دیتے ہیں۔ وہ اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب حکم دیا گیا کہ وہ فرعون کے پاس اللہ کا پیغام پہنچائیں تو انہیں فرمایا گیا کہ:

فقولا له قولا لينالعله يتذكر او يخشى (طه : ۴۴)(۳۸)

ڈاکٹر حسن ابراہیم حضرت عمرؓ کے بارے میں لکھتے ہیں:

كان عمر حريصاً على كرامة المسلمين وعزة نفو سهم يحميهم وينتصف لهم من عدوان الولاة والاستقراطيين عنهم(۳۹)

امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ عوام حکومت کی کسی کاروائی کو جو اگرچہ ان کے مفاد میں ہو، ناپسند کرتے ہیں، لیکن وہ کام عوام کے مفاد کی خاطر ناگزیر ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں عوام کے ساتھ سختی ہرگز نہ کی جائے نرمی کا برتاؤ کیا جائے(۴۰)

حضرت عمر بن عبدالعزیز فرماتے ہیں:

واللہ میں ارادہ کرتا ہوں کہ لوگوں کے سامنے حق کی تلخی پیش کروں لیکن ڈرتا ہوں کہ وہ اس سے بھاگ جائیں گے۔ پس میں صبر کرتا ہوں۔ یہاں تک کہ دنیا کی شیرینی آجائے تو میں اس شیرینی کے ساتھ حق کی تلخی پیش کردوں(۴۱)

یہ اصول عصر حاضر میں نفاذ اسلام کے سلسلے میں بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ لوگوں کے

مزاج چونکہ آزادانہ روش کے عادی ہیں اور اسلام کی پر حکمت بندشیں اور حدود ان پر ناگوار اور گراں گزرنے کا خدشہ ہو تو یہ حکمت عملی اپنائی جائے کہ ان کے حقوق اور ان کے مادی مفادات جو شریعت نے انہیں دئے ہیں، عطا کر کے انہیں خوش کیا جائے اور ساتھ ساتھ بندشیں عائد کی جائیں۔

امام ابن تیمیہؒ جرات اور سخاوت کو بھی خلیفہ کیلئے ناگزیر قرار دیتے ہیں۔وہ اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ

خلق خدا کی رعایت اور لوگوں کی خدمت، عطا و بخشش اور عالی حوصلگی کے بغیر ممکن نہیں ہوتی بلکہ ان کے بغیر دین و دنیا کی فلاح بھی ناممکن ہے(۴۲)

امام صاحبؒ کا نقطہ نگاہ یہ ہے کہ حکمران اگر ان اوصاف کا مالک نہ ہو تو اس سے حکومت چھین لی جائے(۴۳)

آپ لکھتے ہیں کہ بخل کا پایا جانا خلیفہ کیلئے معیوب ہے۔خلیفہ کو چاہیے کہ وہ عوام کی فلاح و بہبود کیلئے خرچ کرے۔ اس سے وہ عوام کے دل جیت سکتا ہے۔اس سے سیاسی نظام میں اصلاح ودرستگی ہوگی۔انفاق کے بغیر دینی سیاست پایہ تکمیل کو پہنچتی ہے نہ دین و دنیا کی فلاح ممکن ہے۔امام صاحب لکھتے ہیں:

کچھ امور ایسے ہیں جن کے بغیر نہ دنیاوی امور درست ہوسکتے ہیں نہ دینی۔وہ دنیاوی امور جن کے بغیر لوگوں کا دین قائم نہیں رہ سکتا دو طرح کے ہیں۔ایک مستحق لوگوں میں مال تقسیم کرنا دوسرے اعتدال کی راہ سے ہٹنے والوں کو سزا دینا(۴۴)

امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ صبر، غصہ پی جانا، عفو ودر گزر، ہوا وہوس کی مخالفت تکبر اور غرور سے اجتناب بھی حکمران کیلئے ضروری ہے(۴۵)

حضرت عمرؓ نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا" اے اللہ میں سخت ہوں، مجھے نرم کردے،میں کمزور ہوں مجھے توانا کردے، میں بخیل ہوں مجھے سخی کردے(۴۶)

حکمران عوام کی خدمت کرتے ہوئے انہیں ایسا ماحول مہیا کرنے کا پابند ہے جس میں ذہنی سکون اور بنیادی سہولیات میسر ہوں۔حکمران کا فرض ہے کہ وہ لوگوں کیلئے سہولتیں مہیا کرے اور ایک ایسا ماحول پیدا کرے جس میں تمام انسان خوشی اور آرام اور ذہنی سکون سے زندگی گزار سکیں۔ پولیس سٹیٹ یا جابرانہ انداز حکومت نہ اپنایا جائے۔ اس سلسلے

میں حضور اکرم ﷺ کی واضح احادیث موجود ہیں۔ آپ نے فرمایا:

عن ابی موسی قال کان رسول اللّٰہصلی اللّٰہ علیہ وسلم اذا بعث احداً من اصحابہ فی بعض امرہ قال"بشروا ولا تنفروا ویسروا ولا تعسروا (۴۷)

ابوموسی کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ جب اپنے اصحاب میں سے کسی کو کسی کام پر مامور کر کے روانہ فرماتے تو حکم دیتے کہ لوگوں کو خوش خبری دو۔ نفرت نہ دلاؤ، آسانی پیدا کرو، اور لوگوں کو دشواری میں نہ ڈالو۔

اسی طرح کی ایک روایت حضرت انسؓ سے بھی مروی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

یسروا ولا تعسروا .وسکنوا ولا تنفروا (۴۸)

تم رعیت پر آسانی پیدا کرو۔ لوگوں کو دشواری میں نہ ڈالو۔ لوگوں کو سکون مہیا کرو اور لوگوں میں نفرت پیدا نہ کرو۔

حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو ایک خط لکھا:

"اللہ کے نزدیک سعادت مند نگران وہ ہے جس کی وجہ سے اس کی رعایا کو سعادت نصیب ہو اور سب سے بدبخت نگران وہ ہے جس کے ہاتھوں سے اس کی رعایا نقصان اور تباہی سے دوچار ہوجائے (۴۹)

حضرت عمرؓ سے روایت ہے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

ان افضل عباداللّٰہ عند اللّٰہ منزلہ یوم القیامۃ امام عادل رفیق وان شرالناس عنداللّٰہمنزلۃ یوم القیامۃ امام جائر خرق (۵۰)

اللہ کے نزدیک اس کے بندوں میں سے قیامت کے روز درجات میں بہترین آدمی امام عادل اور نرمی کرنے والا ہے اور قیامت کے دن لوگوں میں بدترین آدمی سختی کرنے والا ظالم امام ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے عادل حکمران کیلئے یہ خوشخبری سنائی ہے کہ عادل حکمران اللہ کے نزدیک نور کے منبروں پر ہوں گے رحمن کے دائیں جانب۔ وہ حکمران جو اپنے احکام اور اپنے اہل میں انصاف سے کام لیتے ہیں اور جس چیز کے وہ والی نہیں اس میں بھی انصاف کرتے ہیں۔ (۵۱)

اس کے برعکس آپ نے شریر اور ظالم حکمرانوں کے بارے میں فرمایا:

ان شر الرعاء الحطمہ (۵۲)

بے شک شریر حکمران جہنم کے گڑھے میں گریں گے۔

قانونی مساوات: حکومت پر عدل رسانی کی ذمہ داری اور عوام کو عدل مہیا کرنے کیلئے ان کی مدد کرنا اسلامی ریاست کے بنیادی ستونوں میں سے ہے۔ حکومت، عدالت، قانون اور عوام کے باہمی اشتراک اور یکجہتی سے جو نظام عدلیہ قائم ہوگا وہ حاکم و محکوم دونوں کی حفاظت کی ضمانت فراہم کرے گا۔ اسلامی تاریخ سے ایسے شواہد مہیا کئے جاسکتے ہیں کہ حکومت اور اسلام کے درمیان دوری کے باوجود بھی اسلامی حکومتیں عدل کے بارے میں لاپرواہ ثابت نہیں ہوئیں۔ کئی مطلق العنان بادشاہ عدالت کے کٹہرے میں عوام کے برابر کھڑے کئے گئے۔

چنانچہ قانونی مساوات اور عدل رسانی کے جمہوری اصول معاشرہ کے امتیازی نشان بن گئے اور ایسے زمانے میں جب ساری دنیا انصاف کا خون کر رہی تھی مسلم حکومتیں عدل وانصاف کی علمبردار ثابت ہوئیں۔ غرض حاکم و محکوم، راعی اور رعایا کو عدالت اور قانون کی نگاہ میں برابر قرار دے دیا۔ عصر حاضر میں نظام جمہوریت نے عوام کو بہت زیادہ حقوق دینے کا دعویٰ کیا لیکن وہ بھی حکمران اور عوام کو قانون کی نگاہ میں برابر نہ کرسکا اور شواہد اس بات پر گواہ ہیں کہ اس چیز نے عوام پر حکمرانوں کی امتیازی حیثیت کو جاری وساری رکھا ہے اور اس سے گوناں گوں مسائل پیدا ہوئے۔ حکمران کو عدالت میں پیش نہیں کیا جاسکتا۔ اس اصول نے کئی ایک مسائل کو جنم دیا۔ دوسری طرف یہ جمہوریت کا تضاد بھی ہے کہ وہ ایک طرف سب کو برابر قرار دیتی ہے اور دوسری جانب حکمران اور عوام میں فرق روا رکھتی ہے کہ عوام تو عدالت میں لے جائے جاسکتے ہیں اور حکمران کے بارے میں ایسا ممکن نہیں ہے۔

یہ امتیاز صرف اسلام ہی کو حاصل ہے کہ اس نے حکمران اور عوام کو قانون کی نگاہ میں یکساں اور برابر قرار دے دیا۔ حضرت ابی ابن کعبؓ کی عدالت میں حضرت عمرؓ پیش ہوئے۔ قاضی نے کچھ احترام دیا تو خلیفہ قاضی سے مخاطب ہوتا ہے کہ "یہ پہلی بے انصافی ہے جو تم نے روا رکھی ہے" خلیفہ وقت حضرت علیؓ کو ایک یہودی کے ساتھ عدالت میں پیش ہونا پڑا اور خلیفہ مقدمہ ہار گیا۔ حضرت عمرؓ نے مساوات کا اصول جاری کیا۔ آپ نے اپنے عمال کو یہ حکم دے رکھا تھا کہ سب کو ایک ہی نظر سے دیکھنا۔ قریب وبعید میں کوئی امتیاز روا نہ رکھو۔ اگر تم نے رشوت لی، حکومت میں ذاتی غرض کو شامل کیا یا لوگوں کو غصے میں

ستایا تو تمہیں اس کی سزا بھگتنا ہوگی۔ حق اگر دن کی روشنی میں بھی قائم کرنا پڑے تو اسے قائم کرو(۵۳)

حضرت ابو بکر صدیقؓ کا یہ خطبہ انسانی مساوات کی قابل قدر مثال ہے:

واللہمافیکم احداقوی عندی من الضعیف حتی اخذله الحق،ولااضعف عندی من القوی حتی اخذالحق منه"(۵۴)

خدا کی قسم تمہارا کمزور شخص میرے نزدیک سب سے مضبوط ہے تا آنکہ اس کا حق وصول نہ کرلوں اور تمہارا طاقتور آدمی میرے نزدیک کمزور ہے تا آنکہ اس سے حق وصول نہ کرلوں۔

حضرت عمرؓ نے حضرت عمرو بن العاصؓ سے فرمایا:

یاعمرو! متی تعبد تم الناس وقدولد تهم امها تهم احرارا(۵۵)

اے عمرو! تم نے لوگوں کو کب سے غلام بنالیا ہے۔ حالانکہ ان کی ماؤں نے تو انہیں آزاد جنا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے ایک قبطی کو مارا۔ حضرت عمرؓ نے حج کے موقع پر تمام پبلک کے سامنے قبطی کو بدلا دلایا اور فرماتے تھے مارو مارو بڑوں کی اولاد کو مارو(۵۶)

اسی سلسلے میں حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنی پہلی تقریر میں فرمایا تھا:

اگرچہ میں تمہارا امیر منتخب ہوا ہوں لیکن میں تم سے افضل نہیں ہوں۔ اگر تم مجھے صحیح طور پر کام کرتے ہوئے پاؤ تو میری حمایت کرو اور اگر میں غلطی کروں تو میری اصلاح کردو۔ تم میری اطاعت اسی وقت تک کرو جب تک کہ میرے احکام، اللہ کے احکام کے مطابق ہوں۔ اگر میں احکام الٰہی کے مطابق عمل نہ کروں تو تم میری اطاعت نہ کرو(۵۷)

حضرت عمرؓ نے فرمایا:

"اگر تم مجھے غلطی کرتے دیکھو تو تلوار تک سے مجھے سیدھا کردو۔ تمہارا فرض اپنی رائے ظاہر کرنا اور میرا فرض تمہاری رائے سننا ہے(۵۸)

مالی ومعاشی مساوات: اسلامی خلفاء نے عملی اعتبار سے بھی مساوات کی مثال پیش کی اور اپنا معیار زندگی ایک عام آدمی کے برابر رکھا۔ اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ ایک عام آدمی کے مسائل ومصائب کا اندازہ رہے۔ حضرت عمرؓ کا قول ہے:

كيف يعنيني شان الرعية اذا لم يمسني مايمسهم(۵۹)

میں رعایا کی دیکھ بھال کس طرح کرسکتاہوں جب تک وہ کیفیت مجھ پر نہ گزرے جورعایا پر گزرتی ہے۔

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے حسین ہیکل لکھتے ہیں:

"یہ اسی احساس کا کرشمہ ہے کہ وہ کمزوروں اور محتاجوں کے جذبات کا صحیح اندازہ کرنے کیلئے اپنے آپ کو ان کی سطح پر رکھتے تھے۔ کمزور کو طاقتور سے اس کا حق دلواتے تھے اور محتاج کو محتاجی کی مصیبت سے نجات دلاتے تھے(۶۰)

حضرت عمرؓ کو مرض لاحق ہوا اور شہد کی ضرورت پیش آئی۔ بیت المال میں تھوڑا ساشہد تھا۔ آپ نے برسر منبر لوگوں سے اجازت لے کر ہی شہد استعمال کیا(۶۱)

عملی مساوات کے سلسلے میں حضرت عمرؓ کا یہ بیان سنہری حروف سے لکھےجانےکے قابل ہے:

انا اخبركم بما استحل منه(من مال الله)يحل لى حلتان: حلة فى الشتاء وحلة فى لعيف، وماحج عتمر وأ علمه من الظهرو قوتى وقوت اهلى كقوت رجل من قريش ليس باغناهم ولايافقرهم ثم انابعد رجل من المسلمين يصيبنى ما اصابهم(۶۲)

میں تمہیں بتاتاہوں کہ (اللہ کےمال میں سے) میرے لئے کیا جائز ہے۔ کپڑے کے دو جوڑے۔ ایک سردی کا ایک گرمی کا۔ حج اور عمرہ کیلئے سواری، میرے لئے اور میرے اہل عیال کیلئے فی کس اتنا کھانا جو قریش کے ایک عام متوسط آدمی کی خوراک ہے۔ اس کے بعد میں مسلمانوں میں سے ایک عام آدمی کی مانند ہوں جو اس کا حال وہی میرا حال۔

ایک موقع پر آپؓ نے فرمایا:

انى انزلت مال الله منى بمنزلة مال اليتيم فان استغنيت عففت عنه وان افتقرت اكلت بالمعروف(۶۳)

اللہ کا مال میر لئے ایسے ہے جیسے یتیم کا مال۔ ضرورت نہیں ہوتی تو اسے ہاتھ نہیں لگاتا اور اگر ضرورت مند ہوں تو ضرورت کے مطابق لے لیتاہوں۔

شورائی نظام: مشاورت ایک ایسی حکمت عملی ہے جس سے عوام اور حکومت میں اعتماد بڑھتا ہے۔ قرآن مجید میں حضور اکرم ﷺ سے کہا گیا کہ آپ مومنوں سے مشورہ لیا

کریں۔(۶۴) حضور ﷺ صحابہؓ سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ عہد خلافت راشدہ میں اس کے بہت سے مظاہرے دکھائی دیتے ہیں۔ ہر شخص کو مشورہ دینے کا حق حاصل تھا۔ اگر کسی موقع پر کسی عورت نے کوئی مشورہ دیا تو اسے قبول کیا گیا۔ مولانا حامد الانصاری لکھتے ہیں:

"دنیا نے اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کی مثال دنیا میں دوبارہ پیدا نہ ہوسکی۔ اس بلند مرتبہ کے باوجود آپؓ نے اسلامی حکومت میں عمومیت (عوام کی شمولیت) کی روح ڈالی۔ ہر آدمی کو حکومت کے امور میں شریک کیا۔ مسجد نبوی کے ایوان عام میں جو مسائل امیر المومنین کی طرف سے پیش کئے جاتے تھے۔ ان پر رائے دینے اور ان کی مخالفت یا موافقت کرنے کی ہر شخص کو اجازت تھی (۶۵)

ابو عبید کو عراق کا گورنر مقرر فرمایا تو حضرت عمرؓ نے ہدایت فرمائی:

اسمع من اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم واشرکھم فی الامر ولاتجتھد مسرعا (۶۶)

رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کی بات سننا اور انہیں اپنے معاملے میں شریک رکھنا فیصلہ کرتے وقت عجلت سے کام نہ لینا۔

حسین ہیکل لکھتے ہیں:

وکذلک کان یفعل مع الولاۃ سواء منھم من ولی شؤون الحرب ومن ولی غیرھا (۶۷)

حضرت عمرؓ اپنے تمام والیوں کو اسی طرح ہدایت فرمایا کرتے تھے۔ چاہے انہیں محاذ جنگ کی نگرانی پر بھیجا جا رہا ہو یا کسی علاقے کے انتظام وانصرام کیلئے۔

شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں روزمرہ زندگی میں پیش آنے والے مسائل کے بارے میں خلیفہ جو پالیسی اختیار کرے اور مظلوموں کی دادرسی کیلئے جو بھی طریق کار اپنائے، اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ عوام کے سامنے اپنی پالیسی کو حق بجانب ثابت کرے اور لوگوں کو مطمئن کرے کہ اس نے کوئی ایسی پالیسی اختیار نہیں کی جس میں کسی کے ساتھ بھی زیادتی کا کوئی پہلو موجود ہو (۶۸)

حکمران اور رعایا کا باہمی تعلق: حکمران اور رعایا کے باہمی تعلق کو جس بہترین انداز سے اسلام نے استوار کیا ہے اس کا مقابلہ کوئی اور نظام نہیں کرسکتا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

ان السلطن ظل الله فی الارض یاوی الیه کل مظلوم من عبادہ فاذا عدل کان لہ الاجووکان علی الرعیۃ الشکر وذا جار اوخان او ظلم کانہ علیہ الورز وعلی الرعیۃ الصبر(۶۹)

سلطان (بادشاہ) زمین پر اللہ تعالیٰ کا سایہ ہوتا ہے۔اس کے بندوں میں سے ہر مظلوم شخص اس کی پناہ پکڑتا ہے۔ جب وہ انصاف کرے تو اسے اجروثواب ملتا ہے اور عوام پر واجب ہے کہ اس کا شکریہ ادا کریں۔اور جب حاکم ظلم کرتا ہے تو اس کا گناہ اسی کو ہوگا اور لوگوں پر لازم ہے کہ وہ صبر کریں۔

دوسروں کے بارے میں شکوک وشبہات میں پڑجانا عام معاشرتی زندگی میں بھی نقصان کا باعث بنتا ہے لیکن سیاسی زندگی میں اس کے مفاسد مزید بڑھ جاتے ہیں۔حضوراکرم ﷺ نے حکمرانوں کیلئے یہ بات پسند نہیں فرمائی کہ وہ اپنی رعایا کے معاملے میں شک کی باتیں تلاش کرتے پھریں۔اگروہ ایسا کریں گے تو اس سے نظام سیاست میں خرابی پیدا ہوجائے گی(۷۰)
عوام اور حکمران کے باہمی تعلقات کے حوالے سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

خیارائمتکم الذین تحبونھم ویحبونکم وتصلون علیھم ویصلون علیکم وشرارائمتکم الذین تبغضونھم ویبغضونکم وتلعنونھم ویلعنونکم(۷۱)

تمہارے بہترین حکمران وہ ہیں جنہیں تم پسند کرو۔ اور وہ تمہیں پسند کریں اور جن کیلئے تم دعائیں کرو اور وہ تمہارے لئے(بہتری کی)دعا کریں۔اور بد ترین حکمران وہ ہیں جن سے تم بغض رکھو اور وہ تم سے بغض رکھیں۔ تم ان پر لعنت کرو اور وہ تم پر لعنت کریں۔

شاہ ولی اللہؒ نے خلیفہ کے تقرر کی جو شرائط بیان کی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ لوگ خلیفہ کو پسند کرتے ہوں وہ اس کے گرد جمع ہوں۔لوگوں کے دلوں میں اس کیلئے عزت ہو اور وہ قوم کی حمایت سے محروم نہ ہو(۷۲)

اسلام نے عوام اور حکمران دونوں کو الگ الگ ہدایات دی ہیں کہ ہر ایک اپنے اپنے دائرے میں فرائض ادا کرے۔ امام ابن تیمیہ رعایا کو یہ مشورہ دیتے ہیں کہ وہ امن وامان کی خاطر حکمران کی اطاعت کریں،ان کی خیر خواہی کریں۔ ان دونوں باتوں کو وہ دینی ذمہ داری قرار دیتے ہیں۔اس کی تائید میں وہ یہ حدیث مبارکہ پیش کرتے ہیں کہ حضوراکرم ﷺ نے فرمایا:

"عوام کو چاہیے کہ اپنے حکمرانوں کے حامی ومددگار ہوں (۷۳)
دوسری طرف وہ سورہ النساء کی آیت نمبر ۵۸ کی روشنی میں حکمرانوں کو دیانتداری اور عدل کی تلقین کرتے ہیں۔ امام موصوف حکمرانوں کو نصیحت کرتے ہیں کہ وہ مالی معاملات میں عوام کا خیال رکھیں ان کا جو حصہ بنتا ہوا نہیں ادا کریں۔ دوسری جانب رعایا کو نصیحت کرتے ہیں کہ وہ حکومت سے ایسی کوئی چیز طلب نہ کریں جو ان کا استحقاق نہ ہو۔ ساتھ ہی حکومت کا بھی فرض ہے کہ وہ لوگوں کے مالوں میں خواہ مخواہ مداخلت نہ کرے۔ وہ لکھتے ہیں کہ بعض اوقات عوام حکومت کے ساتھ اور کبھی حکومت عوام کے ساتھ ظلم کرتی ہے۔ حکام وہ کچھ وصول کریں جو لینا حلال نہیں تو حکومت ظلم کرے گی اور اگر عوام وہ کچھ ادا نہ کریں جو ان پر واجب ہے تو وہ ظالم کہلائیں گے (۷۴)
شاہ ولی اللہؒ، حدیث مبارکہ "خلیفہ ڈھال ہوتا ہے" کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
"خلیفہ کا تقرر اس لئے ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کے مصالح کی خاطر جدوجہد کرے۔ یہ اسی وقت ممکن ہوسکتا ہے جب دونوں میں باہم اعتماد اور تعاون کی فضا موجود ہو۔ اگر ان کے درمیان غلط فہمیاں ہوں تو یہ مصالح حاصل نہیں ہوسکتے۔ اعتماد و تعاون حاصل کرنے کیلئے حضور اکرم ﷺ نے واضح ہدایات ارشاد فرمائی ہیں۔ ایک طرف حکمران سے فرمایا:
"جس شخص کو اللہ تعالی نے کوئی رعیت اس لئے سپرد کی کہ وہ اس کی نگرانی کرے اور پھر اس نے خیر خواہی کا حق ادا نہ کیا تو وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پاسکے گا۔
دوسری جانب عوام کو یہ ہدایت فرمائی کہ:
جس شخص کو خلیفہ میں کوئی ایسی بات نظر آئے جسے وہ ناپسند کرتا ہے اسے صبر کرنا چاہیے کیونکہ جو شخص مسلمانوں کی جماعت سے ایک بالشت بھر الگ ہوتا ہے اگر وہ اسی حالت میں مرجائے تو وہ جاہلیت کی موت مرا (۷۵)

تعظیم انسانیت : فرد انسانی سوسائٹی کا وہ بنیادی حصہ ہے جس کے گرد پورا معاشرہ اور حکومت گردش کرتی ہے۔ اگر ایک فرد کو اس کا جائز مقام دے کر اس کی آزادی و حریت فکر کا اہتمام کیا گیا اس کی تربیت کی گئی اور اس کی شخصیت کی تکمیل و ترقی اور ارتقاء کیلئے مناسب بندوبست کیا گیا تو وہ نظام مستقل بنیادوں پر پلے بڑھے گا۔ لیکن اگر معاملہ اس کے برعکس ہے تو نہ فرد کی تکمیل ہوگی اور نہ ہی اس کی تکمیل کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کرنے والا نظام پل بڑھ سکے گا۔ اسلام میں اس بنیادی مسئلے کا اہتمام بھی موجود ہے۔ اسلام انسان کو اشرف المخلوقات

قرار دے کر عظمت انسانی کا تصور دیتا ہے(۷۶)اور اسلام کے سیاسی نظام میں ایسے کسی اقدام کی کوئی گنجائش نہیں کہ عظمت انسانی کے اصول کی خلاف ورزی کی جائے۔ اسلام بظاہر جو قدغن یا پابندی انسان کی آزادی پر عائد کرتا ہے وہ در حقیقت اس کی آزادی پر پابندی نہیں بلکہ وہ اس کے ارتقاء اور بقا کیلئے حفاظتی تدابیر کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان کی حقیقت ایسی ہی ہے جس طرح کہ پہاڑی علاقے میں جہاں سڑک کے ایک جانب بلند پہاڑ اور دوسری جانب گہرا کھڈ ہوتا ہے وہاں کھڈ کی جانب سڑک کے ایک جانب سڑک کے کنارے بھاری پتھر یا ڈرم وغیرہ لگادئے جاتے ہیں۔ ان پتھروں کو کوئی شخص سڑک اور راستے کو مسدود کرنا نہیں کہہ سکتا بلکہ یہ اس سڑک پر چلنے والوں کی حفاظت کا اہتمام ہے۔ بالکل اسی طرح اللہ تعالی انسان کا خالق ہے اسے معلوم ہے کہ کیا چیز انسان کیلئے مفید ہے اور کیا ہلاکت کا باعث۔ لہذا اس نے مفید چیزوں کو انسانوں کیلئے جائز اور مہلک چیزوں اور افعال کو ممنوع قرار دے دیا ہے۔ اسلام میں فرد کے مقام کے تعین کے سلسلے میں یہ حدیث بہت بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔

عن ابن عمر قال صعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المنبر فنادی بصوت رفیع قال یامعشر من اسلم بلسانہ ولم یفض الایمان الی قلبہ لا تؤذوا المسلمین ولاتعیروھم ولاتتبعوا عوراتھم فانہ من یتبع عورۃ اخیہ المسلم تتبع اللہ عورتہ ومن یتبع اللہ عورتہ یفضحہ ولو فی جوف رحلہ قال: ونظر ابن عمر یوما الی البیت او الی الکعبۃ فقال ما اعظمک واعظم حرمتک والمومن اعظم حرمۃ عنداللہ منک(۷۷)

ابن عمرؓ سے روایت ہے حضور اکرم ﷺ ایک دن منبر پر تشریف فرما ہوئے اور بلند آواز سے فرمایا؛ اے وہ جماعت جو زبان سے اسلام لائی ہے اور ابھی اس کے دل تک اسلام نہیں پہنچا۔ مسلمانوں کو ایذا مت دو ان کے عیب مت نکالو۔ ان کے عیبوں کے پیچھے نہ پڑو۔ کیونکہ جو کوئی کسی مسلمان بھائی کے عیبوں کی تلاش میں ہوگا اللہ تعالی بھی اس کے عیبوں کی جستجو میں ہو جائے گا۔ اسے ذلیل وخوار کرے گا۔ اگرچہ وہ اپنے گھر میں چھپا ہوا ہو(اس حدیث کی سند میں موجود) نافع کہتے ہیں کہ ایک روز ابن عمرؓ نے کعبہ کی طرف دیکھا اور فرمایا تو کس قدر عظمت والا ہے اور تیری عزت وحرمت کتنی ہے اور مومن کی عزت

و حرمت اللہ کے نزدیک تجھ سے بھی زیادہ ہے۔

اس حدیث کے مضمون سے ملتی جلتی بات ابو برزہ اسلمی کے حوالے سے حضور اکرم ﷺ سے بھی مروی ہے (۷۸)

اسی سلسلے میں قرآن کریم کا یہ فرمان بھی بنیادی اہمیت کا حامل ہے کہ ایک قاتل جب ایک انسان کو قتل کرتا ہے تو گویا وہ پوری انسانیت کو قتل کرتا ہے۔ اگر ایک شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرتا ہے تو اس کی سزا یہ ہے کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ اللہ تعالیٰ کا اس پر غضب ہوگا اس پر اللہ کی لعنت ہے (۷۹)

حضرت عبداللہ ابن عمروؓ سے روایت ہے:۔

لزوال الدنيا اهون على اللّٰه من قتل رجل مسلم (۸۰)

اللہ کے نزدیک تمام دنیا کا زوال اس سے کمتر ہے کہ کسی مسلمان کو قتل کیا جائے۔

گویا ہم کہہ سکتے ہیں کہ جو شخص انسانی زندگی کا احترام کرتا ہے تو وہ انسانیت عامہ کی زندگی کی بقاء کا احترام کرتا ہے اور جو شخص کسی جان کو تلف کرتا ہے تو گویا اس کی نگاہ میں انسانیت کا کوئی احترام نہیں ہے۔

اسی سلسلے میں ہم قرآن حکیم کی ان تعلیمات کو احترام انسانیت کے حوالے سے دیکھ سکتے ہیں کہ:

کوئی قوم کسی کا تمسخر نہ کرے ہوسکتا ہے کہ وہ قوم جس کا مذاق اڑایا جارہا ہے وہ دوسری قوم سے بہتر ہو۔ نہ کوئی عورت کسی عورت کا مذاق اڑائے ممکن ہے وہ اس سے اچھی ہو اور اپنے مومن بھائی کے عیب نہ نکالو اور نہ ایک دوسرے کے برے نام رکھو۔ اے ایمان والو برے گمانوں سے احتراز کرو۔ ایک دوسرے کا تجسس نہ کرو نہ ایک دوسرے کی غیبت کرو (۸۱)

حرمت فرد، مساوات انسانی، حقوق انسانی اور آزادی کے احساسات کا جس قدر آج کے دور میں چرچا ہے شاید اس سے قبل ایسا نہ ہو ہو۔ جمہوریت کی روح ہی مذکورہ بالا حقوق کو قرار دیا جارہا ہے اور کہا جاتا ہے کہ جمہوریت حقوق انسانی اور مساوات انسانی کی چیمپئین ہے لیکن اگر دیکھا جائے تو جمہوریت درحقیقت تضادات کا مجموعہ ہے۔ انسانوں کی انسانوں پر حکومت درحقیقت انسانی آزادی سے متصادم ہے۔ اسلامی تصور سیاست اپنے اندر اتنی وسعت رکھتا ہے کہ جمہوریت کی حقیقی روح اسی میں موجود ہے کیونکہ یہاں مقتدر اعلیٰ

اللہ تعالیٰ ہے حریت ومساوات کا کوئی نظریہ اس وقت تک عملی حقیقت نہیں بن سکتا جب تک کہ انسانوں پر انسانوں کے تسلط اور انسانوں میں پست و بلند کی تفریق پیدا کرنے والے امتیازات کو ختم نہ کردیا جائے۔ اسلام نے انسانوں پر انسانوں کے اقتدار کا خاتمہ بھی کیا اور پست و بلند کا تصور بھی ختم کیا اور تمام انسانوں کو وحدت اور مساوات کا سبق سکھایا۔ اسی طرح حریت ومساوات کے بغیر کوئی جمہوری نظام کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوسکتا۔ اسلامی جمہوریت حریت اور مساوات نسل انسانی کے اصولوں پر قائم ہے۔ اقتدار اعلیٰ کا اسلامی تصور ہی انسانوں کے انسانوں پر اقتدار کا خاتمہ کرسکتا ہے اور اسی صورت میں لوگوں کو حقیقی حریت بھی مل سکتی ہے۔ جمہوریت کا تجربہ بتاتا ہے کہ پوری کوشش کے باوجود حریت، اخوت اور مساوات کے اساسی تصورات پر پوری طرح عمل نہیں کیا جاسکا۔ کیونکہ اکثریت اپنے ہی مفادات کا تحفظ کرتی ہے اور ایک طرح سے اکثریت والی پارٹی اپنے ہی پارٹی مفادات کا تحفظ کرتی رہتی ہے۔ ادھر اقلیت اپنے آپ کو اکثریت میں لانے کیلئے جدوجہد کرتی ہے اور یوں اقتدار کی کشمکش ہمہ وقت جاری رہتی ہے۔ ملکی مفادات پر پارٹی اور گروہی مفادات غالب آجاتے ہیں لیکن اسلامی جمہوریت میں جماعتی و طبقہ داری کشمکش اور تصادم کی کیفیت پیدا نہیں ہوسکتی کیونکہ ایک اسلامی مملکت میں فرد وجماعت اور حاکم ومحکوم سب کے مقاصد ومفادات مشترک ہوتے ہیں۔ یہاں قانون سازی کی اساس اکثریت نہیں شریعت ہے۔

اسلام حکمران اور عوام کو یکساں مقاصد کی تکمیل کی ہدایت کرتا ہے۔ ان دونوں کی منزل اور مقاصد کو ایک ہی قرار دیتا ہے۔ وہ دونوں ایک گاڑی کے مسافر قرار دیئے گئے ہیں اس طرح فرد اور مملکت میں حقوق وفرائض اور نصب العین کا اشتراک حاکم ومحکوم میں مقاصد ومفادات کی یکسانی اور یکجہتی وہم آہنگی پیدا کردیتا ہے۔ معاشرے کا ہر فرد فرائض حکومت کی بجا آوری میں مدد دینے کا ذمہ دار ہوتا ہے (۸۲)

اختلاف رائے اسلامی نظام سیاست میں خلیفہ سے اختلاف کرنے، اس پر تنقید کرنے، یا اس کے کسی فعل پر اس سے مواخذہ کرنے کا ہر شخص کو ہر وقت حق حاصل ہوتا ہے۔ اس کی متعدد مثالیں عہد خلافت راشدہ میں پیش کی جاسکتی ہیں۔ حضرت عمرؓ نے لمبی قمیض پہنی تو کسی

نے اعتراض کیا کہ باقی لوگوں کی قمیضیں اتنی لمبی نہیں بن سکیں آپؓ کی قیمض کس طرح لمبی بن گئی؟ حضرت عمرؓ کو اس اعتراض کا خود جواب دینا پڑا (۸۳)

ایک شخص حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور بار بار کہتا جاتا تھا اے عمر! خدا سے ڈر۔ لوگوں نے اسے ٹوکا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا

"اسے مت روکو۔ یہ لوگ اگر ہمیں ایسی باتیں کہنا چھوڑدیں تو پھر ان کا فائدہ ہی کیا؟ اور اگر ہم ان کی باتیں قبول نہ کریں تو ہمیں بھلائی سے عاری سمجھنا چاہیے (۸۴)

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے خطبہ ارشاد فرمایا:

اگر میں کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے مطابق حکم دوں تو میری اطاعت کرنا اگر میں اس سے ہٹ جاؤں تو میری اصلاح کر دینا (۸۵)

اسلامی مملکت میں یہ ساری روح نبی کریم ﷺ کے اس فرمان کے نتیجہ میں پیدا ہوئی کہ:

ان من اعظم الجهاد كلمة عدل عندسلطان جائر (۸۶)

بہترین جہاد ظالم حکمران کے سامنے حق بات کہنا ہے۔ خلفاء کی کوشش تھی کہ کہیں ظالم حکمرانوں والے اوصاف ان میں پیدا نہ ہوجائیں۔ مواخذے کا حق اور اپنی رائے کے اظہار کی جرات تمام مغربی مفکرین سے پہلے نبی کریم ﷺ نے دی تھی۔ حضرت عمرؓ نے رائے کے اظہار کا جو حق عوام کو دے رکھا تھا اس کے نتائج پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا حامد الانصاری لکھتے ہیں:

"جب آپ کا انتقال ہوا تو انسانی سوسائٹی کا ہر رکن اور شہری آپ سے خوش تھا۔ اگر فاروق اعظمؓ جیسا ایک اور مدبر حکومت پیدا ہوجاتا تو تمام دنیا اسلامی نظام کے تحت انسانیت کے اعلیٰ قوانین کی پابند نظر آتی اور اگر آج اس طرز کا ایک انسان پیدا ہوجائے تو تمام دنیا سے ہر طرح کی خرابیاں مٹ جائیں (۸۷)

اسلام اپنے مزاج اور روح کے اعتبار سے مغربی جمہوریت سے کہیں زیادہ جمہوری مزاج رکھتا ہے (مولانا حامد الانصاری نے جمہوریت کیلئے عمومیت کا لفظ استعمال کیا ہے) وہ لکھتے ہیں:

"اسلام کے شورائی تصور نے یورپ کی شاہی جمہوریت پر ضرب رسید کی دور جدید میں کچھ عمومیت پیدا ہوئی لیکن ناکام رہی۔ جدید دور کی جمہوریت میں دولت مند سب کچھ

ہوسکتے،ہیں باقی محروم ہیں۔ عوام ووٹر ہیں اور امراء حکام۔ زینوفوں یونانی نے لکھا ہے جمہوریت کا لازمی نتیجہ ہے کہ بد کردار اچھے رہیں اور نیکوکار پریشان ہوں۔ یہ بات آج کی جمہوریت کا وصف ہے(۸۸)

مولانا حامد الانصاری اس جمہوریت کا موازنہ اسلامی نظام عمومیت سے کرتے ہیں۔ یہاں جمہوری ایوان میں ہر نیک غریب آدمی پہنچ سکتا ہے اور جب دولتمند اس ایوان تک پہنچے گا تو اسے صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کی طرح غریبوں کی سطح پر آنا پڑے گا۔ جب غریب ترقی کریں گے، حکومت اور حکام بھی ترقی کی طرف بڑھیں گے۔

اسلام کا شورائی نظام یہ چاہتا ہے کہ نیکوکار اچھے رہیں اور بد کرداروں کو سزا ملے۔ اسلامی حکومت اپنے کاموں میں مرضی عامہ، مساوات حقوق، آزادی ضمیر اور سادگی کا بڑا خیال رکھتی ہے۔ جب تک ایک شخص بھی غریب ہے حکومت کا قائد سرمایہ دار حکومتوں کے سرمایہ دار صدر کی طرح زندگی بسر نہیں کرسکتا۔ اس میں عوام، حکومت کا معیار ہیں۔ عوام کے ساتھ حکومت کا معیار ترقی کرتا ہے اور اسی کے ساتھ امیر حکومت کا معیار بلند ہوسکتا ہے(۸۹)

اسلامی عمومیت اور جدید جمہوریت کا موازنہ یوں بھی کیا جاسکتا ہے کہ:

خلیفہ نہ تو آمروں کی طرح ملت کو اپنا غلام بنا سکتا ہے نہ وہ جمہوریت کی طرح اکثریت کا محتاج اور آلہ کار۔ اسلامی مملکت میں حصول اقتدار کیلئے حاکم اور محکوم کے درمیان کشمکش کی بجائے اتحاد عمل پایا جاتا ہے کیونکہ خلیفہ کے مقاصد رعایا کے مقاصد ومفادات سے متصادم نہیں اور مشترکہ نصب العین کو حاصل کرنے کیلئے جدید جدوجہد میں وہ ایک دوسرے کے معاون ہیں(۹۰)

اسلام اور مغربی جمہوریت میں ایک واضح فرق یہ ہے کہ جمہوریت میں اکثریت کا فیصلہ حتمی سمجھا جاتا ہے۔ مذہب اخلاق، معاشرہ یا روایات اس فیصلے میں رکاوٹ نہیں بن سکتے۔ اس سلسلے میں قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وان تطع اکثرمن فی الارض یضلوک عن سبیل اللہ(۹۱)

جوزمین میں ہیں اگر آپ ﷺ ان میں سے اکثریت کی بات مانیں گے تو یہ آپ ﷺ کو اللہ کی راہ سے دور کردیں گے۔

حدیث شریف میں فرمایا گیا:

لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق(۹۲)

خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہیں

لا طاعة لمن عصى الله(۹۳)

جس نے اللہ کی نافرمانی کی اس کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔

گویا اسلام، فرد کا احترام اور اس کی رائے اور مقام تسلیم کرنے کے باوجود حاکمیت کا اختیار صرف اللہ کو دیتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عقل انسانی محدود اور ناقص ہے۔ گروہی مفادات، انسان کی خود غرضی اور نہ جانے کتنے عوامل اسے حقیقت تسلیم کرنے سے روک سکتے ہیں۔

انسانی خواہشات کی اطاعت خطرات سے خالی نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ نظم وضبط کیلئے کسی حاکم کی اطاعت کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن اسلامی مملکت میں حکمران کی یہ اطاعت دستور کے مطابق ہی کی جاتی ہے۔ اگرچہ نظم وضبط چلانے کیلئے حاکم کی اطاعت پرزور دیا گیا ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا گیا کہ یہ اطاعت صرف معروف کاموں میں ہی ہوگی۔ منکرات میں اطاعت نہیں ہوگی۔ حاکم اور محکوم دونوں شریعت اسلامیہ کی اطاعت کریں گے اور اس اطاعت میں دونوں برابر ہوں گے۔ یہی وہ بنیادی تصور ہے جو ان دونوں میں اختلاف و تصادم کی بجائے اشتراک و ہم آہنگی پیدا کرتا ہے اور سیاسی نظام کو استحکام و دوام بخشتا ہے۔

خدا پرستی اسلامی مملکت کی وہ بنیادی خصوصیت ہے جس کی بدولت وہ مستحکم اور حقیقی بنیادوں پر مبنی ہونے کے ساتھ ساتھ ان خرابیوں سے پاک ہے جو انسان کی فطری کمزوریوں کا لازمی نتیجہ ہیں۔

بیورو کریسی: آج ہم ایک بہت بڑے مسئلہ سے دوچار ہیں کہ بیورو کریسی اس قدر طاقتور بن چکی ہے کہ ہر حکمران اپنی ناکامیوں کے اسباب میں یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ بیورو کریسی عوام کی خدمت کرنے کی بجائے ان پر حاکم بنی ہوئی ہے۔ انہیں اپنی ٹھاٹھ باٹھ اور مفادات کا تو احساس ہوتا ہے لیکن عوامی خدمت اور عوامی مفادت کے تحفظ کا وہ قطعاً خیال

نہیں رکھتے۔اسی لئے وقتاً فوقتاً بیورو کریسی کو تلقین کی جاتی ہے کہ وہ عوام کی خادم بن کر رہے لیکن یہ تمام احکام نقش بر آب ہی ثابت ہوتے ہیں۔

حضرت عمرؓ کی بصیرت اس نتیجے تک پہنچی تھی کہ عوام کی خدمت اسی وقت ممکن ہو سکتی ہے جب سرکاری اہل کار راہ راست پر ہوں۔اس لئے وہ سارا زور انہی کو راہ راست پر رکھنے کی پالیسی پر صرف کرتے تھے۔

حضرت عمرؓ کے انتظامی ڈھانچہ میں اگر غور کریں تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپؓ اپنے سرکاری افسروں پر کڑی نگاہ رکھتے تھے۔ سرکاری فرائض کی بجا آواری کے حوالے سے تو انہیں سخت احکام تھے ہی، ان کی ذاتی زندگیوں پر سخت پابندیاں عائد تھی، لیکن اس کے برعکس عوام کے کمترین شخص کو بھی مکمل پذیرائی حاصل تھی۔عمال، عوام کے سامنے بچھے جاتے تھے اور یوں لگتا تھا کہ گورنر اور دیگر عمال عوام کے سامنے کم درجہ لوگ ہوں۔عمال اور خود خلیفہ اپنے آپ کو ہر وقت عوام کے سامنے جوابدہی کیلئے تیار رکھتے تھے۔ حضرت عمرؓ کا قول ہے آپؓ فرماتے ہیں:

"عام لوگ جس قدر مجھ سے ڈرتے ہیں میں اس سے زیادہ ان سے ڈرتا ہوں (۹۴)

یعنی میں بطور خلیفہ ان کے حقوق ادا کرنے سے کہیں قاصر یا غافل تو نہیں رہ گیا۔

عمال حکومت کو راہ راست پر رکھنے کے حوالے سے حضرت عمرؓ کا یہ بیان بہت اہمیت کا حامل ہے کہ:

"جب امیر خود حدود فراموشی اور ناحق کاروائیاں کرنے لگتا ہے تو پھر ماتحت بھی اس کے نقش قدم پر چلنے لگتے ہیں (۹۵)

حج کے موقع پر گورنروں کو عوام کے سامنے خلیفہ کے پاس جوابدہی کیلئے پیش ہونا پڑتا تھا اور عوام کی شکایات کا ازالہ کیا جاتا تھا۔ یہ اعتراض کیا گیا کہ اس طرح گورنروں کی حیثیت کمزور ہو جائے گی کہ لوگوں کے سامنے ان سے باز پرس کی جائے لیکن حضرت عمرؓ نے اس کی پرواہ نہیں کی (۹۶) لیکن جو سرکاری ملازم رعایا کی بھلائی کیلئے سرگرمی سے کام کرتا اس کی حوصلہ افزائی بھی کی جاتی تھی (۹۷) حضرت عمیر بن سعد نے جب لوگوں کی بھلائی کی خاطر تمام جمع شدہ خراج کی رقم خرچ کردی تو حضرت عمرؓ نے ان کی حوصلہ افزائی فرمائی اور فرمایا: کاش عمیر بن سعد جیسا کوئی شخص میرے پاس ہوتا جس سے میں مسلمانوں

کے کام میں مدد لیتا (۹۸)

افسران کی تعیناتی میں حضرت عمرؓ کی پالیسی کا ایک بنیادی ستون یہ تھا کہ آپ موزوں ترین لوگوں کو ان کی طبیعت اور صلاحیت کی مناسبت سے متعین فرماتے۔ فرماتے ہیں کہ میں گناہ کا مرتکب ہوں گا اگر میں کسی اہل تر شخص کی موجودگی میں کم اہل شخص کو متعین کردوں (۹۹) اپنے کسی عامل کی غلطی کو خلیفہ اپنی غلطی سمجھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر کسی عامل کی کوئی شکایت مجھ تک پہنچے اور میں اس شکایت کا ازالہ نہ کروں تو گویا یہ ظلم میں نے ہی کیا ہے (۱۰۰)

علامہ شبلی نعمانی حضرت عمرؓ کے انتظام حکومت کی یہ خوبی بین کرتے ہیں کہ آپ نے حکومت کی مشینری میں نہایت موزوں پرزے استعمال کئے۔ آپ جوہر شناس تھے اور تمام عرب کے اہل ترین لوگوں کی صلاحیتوں سے واقفیت حاصل کی اور اسی صلاحیت کی مناسبت سے انہیں عہدوں پر فائز گیا (۱۰۱)

یہ تمام شواہد واضح کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کی پالیسی بڑی بصیرت پر مبنی تھی۔ اگر سرکاری عہدے داروں کو معقول احترام نہ دیا جائے تو لوگ ان کے احکام کی پرواہ نہیں کریں گے۔ دوسری طرف اگر ان کے کردار اور اختیارات کے استعمال پر نگاہ نہ رکھی جائے تو بھی سیاسی نظام کے بگڑنے کا امکان پیدا ہوجاتا ہے۔ آپ نے گورنروں وغیرہ پر یہ واضح کردیا تھا کہ عہدہ ایک انعام نہیں بلکہ ایک ذمہ داری ہے اور وہ ایک عام آدمی کے مرتبہ سے کسی صورت بلند تر نہیں ہے۔

آج کی ترقی یافتہ یا ترقی پسند دنیا میں سول سروس کی تشکیل میں حضرت عمرؓ کی حکمت عملی بہت زیادہ بہتر نتائج پیدا کرسکتی ہے۔ آپؓ جب کسی گورنر یا اور بڑے سرکاری افسر کو فرائض سنبھالنے کیلئے روانہ فرماتے تو ایک ہدایت نامہ اسے عوام کے سامنے پڑھ کر سنایا جاتا تاکہ دونوں فریق اپنے اپنے حقوق و فرائض سے آگاہ ہوجائیں اس حکم نامے کی خاص باتیں یہ ہوتیں۔

۱۔ وہ رشوت نہیں لیں گے۔

۲۔ رعایا پر ظلم نہیں کریں گے۔

۳۔ عیش پرستانہ لباس استعمال نہیں کریں گے۔

۴۔ کسی بھی شخص پر اپنے دروازے بند نہیں کریں گے۔(۱۰۲)

حضرت عثمانؓ کے عہد میں گورنروں سے عہد لیا جاتا تھا کہ وہ شہریوں سے حسن سلوک سے پیش آئیں گے اور حکومت کو امانت سمجھیں گے(۱۰۳)

حضرت عمرؓ عمال کا محاسبہ بھی بڑی شدت سے فرمایا کرتے تھے۔ حسین ہیکل لکھتے ہیں کہ یہ محاسبہ اس قدر شدید ہوتا تھا کہ ہمیں اس پر یقین کرنے میں بعض اوقات ہچکچاہٹ محسوس ہوتی ہے۔ حضرت ابوعبیدہؓ کے بارے میں شکایت موصول ہوئی تو ان کا مشاہرہ کم کردیا۔ حتی کہ فاقوں سے انہیں کمزوری لاحق ہوگئی(۱۰۴) معمولی سی شکایت پر بھی طاقتور سے طاقتور افسر کو معزول کردیتے۔ حضرت خالد ابن ولید کی معزولی اس کی بڑی مثال ہے۔ عبدالوہاب نجار لکھتے ہیں:

وکان عمر اذا بلغه عن عامل من عماله ريبة في معصية لم يمهلو ان يعزله لان استصلاح الرعية بضرره بالعزل خير من الابقاء عليه مع ضرر الرعية(۱۰۵)

حضرت عمرؓ کو جب کسی عامل کے بارے میں خبر ملتی جس سے اس پر کسی گناہ کے ارتکاب کا شک ہوجاتا تو آپ اسے معزول کرنے میں دیر نہ کرتے کیونکہ رعایا کے معاملات کی اصلاح کے حوالے سے اس کا معزول کیا جانا اس کے اس منصب پر فائز رہنے سے بہتر ہے۔

جس وقت کسی عامل کو مقرر کیا جاتا تو اس کی جائیداد کی تفصیل حاصل کرلی جاتی اور اگر اس میں دوران ملازمت اضافہ ہوجاتا تو اسے اس کی وضاحت کرنا پڑتی۔ حضرت عمرؓ نے اس روایت کا آغاز کیا کہ کوئی اپنے عہدے کے بل بوتے پر دولت کمانے کی روش پر نہ چل پڑے۔ حضرت ابوہریرہؓ بحرین سے واپس آئے تو ان سے ان کی دولت کے بڑھنے کی وضاحت طلب کی ان کی معقول وضاحت کے باوجود (غالباً دوسرے عمال کو خبردار کرنے کیلئے) ان سے دس ہزار درہم لے لئے گئے(۱۰۶) حضرت عمرؓ کا بیان ہے۔

انی والله ما ارسل عمالى اليكم ليضر بويشاركم ولا ليا خذوا اموالكم ولكنى ارسلهم اليكم ليعلموكم دينكم وسنتكم ويقضوا بينكم بالحق ويحكموا بينكم بالعدل فمن فعل به شيئاسوى ذلک فلير فعهاالى(۱۰۷)

خدا کی قسم میں اپنے عمال تمہاری طرف اس لئے نہیں بھیجتا کہ وہ تمہیں ماریں اور تم سے

تمہارے مال حاصل کریں بلکہ میں انہیں اس لئے بھیجتا ہوں کہ وہ تمہیں تمہارا دین سکھائیں، تمہارے درمیان حق کے ساتھ فیصلے کریں تمہارے اوپر عدل سے حکومت کریں اگر ان میں سے کسی نے اس کے علاوہ (اصولوں کے تحت) حکومت کی تو اس کی اطلاع مجھ تک پہنچاؤ۔

حکمرانوں کی خوشامد پر وعید: آج کے سیاسی نظام میں بالعموم دیکھا گیا ہے کہ حکمرانوں کے گرد جی حضوریوں کا ایک گروہ اکٹھا ہو جاتا ہے۔ وہ دن رات اس کی خوشامد کرتے ہیں۔ اس کے غلط کاموں کی بھی اس قدر تعریف کرتے ہیں کہ اسے پتہ ہی نہیں چل پاتا کہ اس کا کونسا اقدام غلط تھا اور کونسا درست تاکہ وہ اس کی روشنی میں پالیسی میں اصلاح و ترمیم کر سکے۔ ہوتا یوں ہے کہ "سب ٹھیک ہے" کے مدحیہ فقرات سے اسے اپنی اصلاح کی مہلت ہی نہیں ملتی اس سے نہ صرف حکمران معزول ہوتے ہیں بلکہ مملکتوں کو بھی نقصان پہنچتا ہے۔ اس خرابی کی اصلاح بھی حضور اکرم ﷺ نے فرمائی:

عن کعب ابن عجرة قال قال رسول اللہ صلی علیه وسلم اعیذک باللہ من امارة السفهاء قال وماذالک یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم قال امراء سیکونون من بعدی من دخل علیهم فصد قهم بکذبهم واعانهم علی ظلمهم فلیسوامنی ولست منهم ولن یردوا علی الحوض ومن لم یدخل علیهم ولم یصدقهم بکذبهم ولم یعنهم علی ظلمهم فاولئک منی وانا منهم واولئک یردون علی الحوض(۱۰۸)

کعب ابن عجرہؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں تجھے بے وقوف امراء کی حکمرانی سے اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں انہوں نے کہا کہ وہ امارت کیونکر ہو گی؟ فرمایا یہ امیر اور حاکم میرے بعد ہوں گے تو شخص ان کے پاس جائے گا اور ان کے جھوٹ کو بھی سچ کہے گا (ان کے شر کے خوف سے یا ان کی خوشامد کرتے ہوئے ان سے وہ کارنامے منسوب کرے گا جو انہوں نے سرانجام نہیں دیئے) اور ان کے ظلم پر ان کی مدد کرے گا۔ ایسے لوگ مجھ سے نہیں ہیں اور نہ میں ان سے ہوں (میرا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے) وہ حوض کوثر پر میرے پاس نہیں آئیں گے۔ اور جو شخص ان کے پاس نہ جائے ان کے جھوٹ کو سچ نہ کہے اور ان کے ظلم پر ان کی مدد نہ کرے تو وہ لوگ مجھ سے ہیں اور میں ان میں سے ہوں اور یہ لوگ حوض کوثر پر میرے پاس آئیں گے۔

حوالہ جات

(۱) قرآن مجید میں ارشاد ہے:

ان اللّٰہ یامرکم ان تؤدو الامٰنٰت الی اھلھا

بیشک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتے ہیں کہ تم امانتیں ان کے مالکوں کو لوٹادو۔

(۲) ابن تیمیہ، امام، السیاسۃ الشرعیہ فی اصلاح الراعی والرعیہ، بیروت ص: ۹

(۳) مسلم، امام، الجامع الصحیح، جلد ششم، صفحہ ۶، ۷

(۴) ابوعبید القاسم، امام، کتاب الاموال، ص: ۴

(۵) ابن تیمیہ، السیاسیۃ الشرعیۃ، ص: ۱۲

(۶) ایضاً: ۹

(۷) شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ

(۸) بحوالہ حامد الانصاری، مولانا، اسلام کا نظام حکومت، لاہور ص: ۱۴۵

(۹) ابو یوسف، امام، کتاب الخراج، ص: ۱۳۵

حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ حاضرین سے فرمایا کہ کیا تم سمجھتے ہو کہ میں نے اپنے علم کے مطابق بہترین شخص کو عامل مقرر کردیا تو کیا میں اپنے فرض سے عہدہ برآ ہوگیا؟۔ لوگوں نے کہا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا "نہیں" یہ اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک میں یہ نہ دیکھ لوں کہ میں نے جس چیز کا انہیں حکم دیا تھا اس پر عمل بھی کیا گیا کہ نہیں۔ (بحوالہ ہیکل، الفاروق عمرؓ، مطبعہ مصر، القاہرہ، ۱۳۶۴ھ جلد دوم ص: ۲۱۵)

(۱۰) ابوعبید القاسم بن سلام، امام، کتاب الاموال، دار الفکر الطباعۃ والنشر، قاہرہ، ۱۹۸۱ء، ص: ۱۲

(۱۱) ایضاً ص: ۱۲

(۱۲) ایضاً ص: ۱۲

(۱۳) ابن تیمیہ، السیاسیۃ الشرعیۃ، ص: ۱۳

(۱۴) ابن تیمیہ، امام، السیاسیۃ الشرعیۃ فی اصلاح الراعی والرعیۃ، بیروت، ص: ۲۳

(۱۵) مسلم بن الحجاج، امام، الجامع الصحیح، دار الفکر، بیروت، جلد ششم، ص: ۹

(۱۶) ابوعبید القاسم بن سلام، کتاب الاموال، ص:۱۳۰
(۱۸) علی المتقی، کنزالعمال، جلد پنجم، حدیث نمبر ۲۵۱۲-
نیز ابن سعد، حافظ، الطبقات الکبری، جلد سوم، ص: ۱۰۸
ابویوسف، امام، کتاب الخراج، ص: ۲۰۶
(۱۹) ابن تیمیہ، امام، السیاسۃ الشرعیۃ، ص: ۴۱
(۲۰) ایضاً
(۲۱) علی المتقی، کنزالعمال، جلد ششم ص: ۳۲۶-
(۲۲) حسین ہیکل، الفاروق عمرؓ، جلد دوم، ص: ۲۱۵
(۲۳) النجار، عبدالواہاب، الخلفاء الراشدون، ص: ۲۳۵
(۲۴) علی المتقی، کنزالعمال، جلد ششم، ص: ۳۲۶-
(۲۵) ایضاً
نیز ابن سعد، حافظ، الطبقات الکبری، جلد سوم، ص: ۱۰۵
(۲۶) ایضاً
(۲۷) علی المتقی، کنزالعمال، جلد دوم،، ص: ۲۳۰- حسین ہیکل، الفاروق عمرؓ، جلد دوم، ص: ۲۲۲
(۲۸) ابویوسف، امام، کتاب الخراج، ص: ۶۶
(۲۹) آل عمران: ۱۵۹
(۳۰) مسلم، امام، الجامع الصحیح، جلد ششم، ص: ۷
(۳۱) ایضاً
(۳۲) ایضاً، ص: ۱۱۷
(۳۳) ایضاً، : ۱۱۷
(۳۴) ابویوسف، امام، کتاب الخراج، ص: ۱۲۹
(۳۵) النجار، عبدالوہاب، الخلفاء الراشدون، ص: ۲۳۷
(۳۶) ابوعبید القاسم بن سلام، کتاب الاموال، ص: ۱۲
(۳۷) ابن تیمیہ، امام، السیاسۃ الشرعیۃ، ص: ۱۱۴-۱۱۵

(۳۸) ایضاً ص:۱۱۷

(۳۹) حسن ابراہیم حسن، ڈاکٹر: تاریخ الاسلام السیاسی، الجزء الاول، ص:۲۴۷

(۴۰) ابن تیمیہ، السیاسیۃ الشرعیۃ ص:۱۱۷

(۴۱) ایضاً ص:۱۱۷

(۴۲) ایضاً ص:۴۹

(۴۳) ایضاً ص:۴۹

(۴۴) ایضاً ص:۵۲،116

(۴۵) ایضاً ص:۵۰

(۴۶) ابن سعد، حافظ، الطبقات الکبریٰ، جلد سوم، ص:۳۰۷

(۴۷) مسلم، امام، الجامع الصحیح، جلد پنجم، ص:۱۴۱ (کتاب الجهاد

(۴۸) ایضاً

(۴۹) ابو یوسف، امام، کتاب الخراج، ص:۱۳۴

(۵۰) مسلم، الجامع الصحیح، جلد ششم، ص:۷

(۵۱) ایضاً

(۵۲) ایضاً

(۵۳) حسین ہیکل، الفاروق عمرؓ، جلد دوم، ص:۲۲۲

(۵۴) حسن ابراہیم حسن، تاریخ الاسلام السیاسی، ص:۲۰۵

(۵۵) حسین ہیکل، الفاروق عمرؓ، جلد دوم، ص:۲۱۹

(۵۶) ایضاً

(۵۷) ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، جلد چہارم ص:۳۱۱

(۵۸) ابو یوسف، امام، کتاب الخراج، ص:۱۱۷

(۵۹) ایضاً، ص:۲۱۲

(۶۰) ایضاً

(۶۱) ابن سعد، حافظ، الطبقات الکبریٰ، جلد سوم (قسم اول، ص:۹۸

(۶۲) ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد ہفتم ص:۱۳۴

(۶۳) ابن سعد، حافظ، الطبقات الکبریٰ، جلد سوم، ص: ۵۷

(۶۴) آل عمران: ۱۵۹

(۶۵) حامد الانصاری، اسلام کا نظام حکومت، ص: ۱۱۲

(۶۶) حسین ہیکل، الفاروق عمرؓ، جلد دوم، ص: ۲۰۹-۲۱۰

(۶۷) ایضاً، جلد دوم، ص: ۲۱۰

(۶۸) شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، جلد دوم، ص ۲۰۲

(۶۹) علی المتقی، کنز العمال، جلد ششم،، ص: ۴۴

(۷۰) خطیب تبریزی، مشکوٰۃ المصابیح، جلد دوم، ص: ۳۲۶

(۷۱) مسلم، الجامع الصحیح، جلد ششم، ص: ۲۴

(۷۲) شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، جلد دوم، ص: ۲۰۲

(۷۳) ابن تیمیہ، السیاسیۃ الشرعیۃ ص:

(۷۴) ایضاً

(۷۵) شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، جلد دوم، ص: ۲۰۱

(۷۶) بنی اسرائیل: ۷۰

قرآن مجید کا بیان ہے کہ خلقت، خلق، اور صلاحیتوں کے اعتبار سے انسان کو باقی تمام مخلوقات پر برتری وفوقیت حاصل ہے۔

لقد خلقناالانسان فی احسن تقویم (التین: ۴)

ہم نے انسان کو بہت اچھی صورت میں پیدا کیا۔

وصورکم فاحسن صورکم (المؤمن: ۶۴)

اس نے تمہاری شکلیں بنائیں اور بہترین شکلیں بنائیں۔

یایھاالانسان ماغرک بربک الکریم الذی خلقک فسواک فعدلک فی ای صورۃ ماشاء رکبک (الانفطار: ۵.۸)

اے انسان تمہیں اپنے کریم رب کے بارے میں کس نے دھوکے میں رکھا۔ اسی نے تمہیں بنایا اور تمہارے اعضاء کو ٹھیک ٹھیک بنایا اور تیرے قامت کو معتدل رکھا اور جس صورت میں چاہا تجھے جوڑ دیا۔

(۷۷) ترمذی، سنن الترمذی، المجلد الثالث، ص:۲۲۵ (باب ماجاء فی تعظیم المومن)

(۷۸) ایضاً

(۷۹) النساء:۹۳

(۸۰) ترمذی، سنن الترمذی، المجلد الثانی، ص:۴۲۶ (باب ماجاء فی تشدید قتل مومن)

(۸۱) الحجرات:۱۱-۱۲

(۸۲) ماخوذ از شاہد حسین رزاقی، تاریخ جمہوریت ص:۱۴۱-۱۴۶، ۱۵۶-۱۷۳

(۸۳) حسین ہیکل، الفاروق عمرؓ، جلد دوم، ص:۲۱۵

(۸۴) ابو یوسف، امام، کتاب الخراج، ص:۱۲۸-۱۲۹

(۸۵) ابو عبید القاسم، کتاب الاموال، ص:۱۳

(۸۶) ترمذی، سنن الترمذی، المجلد الثالث، ص:۳۱۸ (ابواب الفتن- باب افضل الجهاد کلمۃ عدل عند سلطان جائر)

(۸۷) ترمذی، سنن الترمذی، المجلد الثالث، ص:۴۱۱

(۸۸) ایضاً ص:۴۳۲-۴۳۳

(۸۹) ایضاً، ص:۴۳۲

(۹۰) شاہد حسین رزاقی، تاریخ جمہوریت ص:۱۵۳

(۹۱) الانعام:۱۱۶

(۹۲) علی المتقی، کنز العمال، المجلد السادس ص:۶۷- حدیث نمبر ۱۴۸۷۴

(۹۳) علی المتقی، کنز العمال، المجلد السادس ص:۶۷- حدیث نمبر ۱۴۸۷۴۵

(۹۴) بحوالہ حامد الانصاری، مولانا، ص:۱۱۴

(۹۵) ایضاً ص:۱۱۳

(۹۶) النجار، عبد الوہاب، الخلفاء الراشدون، ص:۲۲۸

(۹۷) حسین ہیکل، الفاروق عمرؓ، جلد دوم، ص:۲۲۵

(۹۸) ایضاً

(۹۹) ابن سعد، حافظ، الطبقات الکبریٰ، جلد سوم، ص:۱۰۸

(۱۰۰) ایضاً جلد سوم، ص:۱۰۸

(۱۰۱) شبلی نعمانی، مولانا، الفاروق، ص:۴۱۸
(۱۰۲) حامد الانصاری، اسلام کا نظام حکومت، ص:۱۱۳
(۱۰۳) ایضاً، ص:۱۱۷
(۱۰۴) حسین ہیکل، الفاروق عمرؓ، جلد دوم، ص:۶۰۰
(۱۰۵) النجار، عبدالوھاب، الخلفاء الراشدون، ص:۲۳۱
(۱۰۶) ایضاً ص:۲۳۲
(۱۰۷) ایضاً، ص:۲۲۹
(۱۰۸) حاکم، امام، مستدرک علی الصحیحین فی الحدیث، الجزء الرابع ص:۴۲۲

الفاظ کے تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ یہ روایت کنزالعمال میں بھی ہے۔ جو یوں ہے:

یاکعب ابن عجرة اعاذک الله من امارة السفهاء أمراء يكونون من بعدی لا يقتدون بهدای ولايستنون بسنتی، فمن دخل عليهم وصدقهم بكذبهم واعانهم على ظلمهم فاولئک ليسوامنی ولست منهم ولا يردون على حوضی، ومن لم يدخل عليهم ولم يصدقهم بكذبهم ولم يعنهم على ظلمهم فاولئک منی وانامنهم وسيردون على حوضی (علی المتقی، كنزالعمال، مؤسه الرساله ۱۹۷۹ المجلد السادس ص:۶۷ حدیث نمبر۱۴۸۹۳)

مذاہبِ اربعہ کی تقلید اور شاہ ولی اللہؒ

تحریر حافظ محمد سجاد تترالوی
لیکچرار گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج، چکوال

دینی علوم میں قرآن وحدیث کے بعد فقہ کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے زمانہ مبارکہ میں مدون شکل میں یہ علم موجود نہیں تھا۔ اس لئے کہ مہبط وحی بذات خود موجود تھے۔ اور مسلمانوں کو جن مسائل میں رہبری کی ضرورت ہوتی انہیں فوراً میسر ہوجاتی تھی۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کرامؓ کا دور آیا جسے "خیر القرون" ہی میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس دور میں بھی مدون شکل میں فقہ کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ اس لئے کہ صحابہ کرام ﷺ شریعت کے اسرار ورموز سے واقف اور آغوش نبوت ﷺ کے تربیت یافتہ تھے۔ زندگی کے نشیب وفراز میں جو الجھنیں پیش آتیں یا عبادات کی ادائیگی میں جو مسائل سامنے آتے صحابہ کرامؓ قرآن اور صحبت نبوی ﷺ کے فیضان سے آسانی سے حل کر لیتے اور کسی مسئلہ میں الجھن پیش آتی تو ان سے دریافت کر کے اس الجھن کو دور کر لیا جاتا تھا۔ لیکن صحابہ کرام ﷺ کے بعد تابعین وتبع تابعین کا دور آیا تو بعد عہد نبوی ﷺ اسلامی مملکت کی وسعت اور نئے مسائل کے باعث اجتہاد کی ضرورت پیش آئی۔ چنانچہ تمام مراکز حکومت میں دوسری صدی ہجری کے آغاز ہی سے مجتہدین نظر آنے لگے۔ پھر بھی ایک معین مجتہد کے مذہب کو اختیار کرنے یا مخصوص شخص کے مذہب پر فتویٰ صادر کرنے یا کسی خاص شخص کے مسلک پر اعتماد کرنے کا رجحان عام نہیں ہوا۔ لیکن اسی صدی کے اختتام پر یہ نظریہ عام ہوگیا اور لوگ کسی خاص مجتہد سے وابستہ ہونے لگے۔ رفتہ رفتہ مجتہدین کی آراء کا اختلاف بھی ابھر کر سامنے آنے لگا اور یہ ایک فطری امر تھا۔ مگر قابل افسوس بات یہ ہے کہ چوتھی صدی کے بعد فقہی معاملات میں بہت زیادہ اختلافات پیدا ہوگئے۔ اختلافات، مناظروں اور مجادلوں کا سلسلہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ تا آنکہ تقلید نے "تقلید جامد" کی حیثیت اختیار کر لی اور فقہی مذاہب میں غلو کی صورت پیدا ہوگئی۔ چوتھی صدی کے آغاز ہی سے مجتہد مستقل تو ناپید ہوگئے۔ اب صرف مجتہد مذہب رہ گئے۔ تعریفات